Making a Constitution: An Islamic Perspective

Abdul Quddus Suhaib[❁]
Hira Manzoor[❁]

ABSTRACT

Many Muslims consider Islam not just a system of certain dogmas and rituals rather a complete code of life that leads them to success in this world and the hereafter. Since the success of an individual and society signifcanly relates to the role of state, scholars have identified many socio-economic principles that Islam provides for running state affairs. Considering the needs of the contemporary times, the paper contends that these principles should be seen as the basis for the reconstruction of modern Islamic state. It identifies guiding principles of making a constitution in an Islamic state. It also explores the tradition of making constitutions in

❁ Professor/Chairman, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan. (aqsuhaib@gmail.com)

❁ Research Associate, Paigham-e-Pakistan Center for Peace, Reconciliation and Reconstruction Studies, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad. (hiramanzoor22@gmail.com)

Islamic history by examining some constitutions of premodern and modern Muslim states.

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

دستور سازی کی اسلامی روایت

عبد القدوس صہیب ❁
حرا منظور ❁

۱ مقالے کا تعارف

دور حاضر میں دستور سازی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قوموں اور ملکوں کی تہذیب و تمدن میں معیار کا اعتبار ان ملکوں میں دستور کے نفاذ سے کیا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں دستور کے ذریعے ریاستی اداروں کو مضبوط بنایا گیا ہے اور اس بات کا انتظام کیا گیا ہے کہ حکومت عوام کے ووٹوں کی بنا پر تبدیل ہوتی رہے لیکن ریاستی اداروں میں استحکام رہے اور تسلسل کے ساتھ ان کی کارکردگی میں کوئی رخنہ درپیش نہ ہو۔ جدید ریاستوں میں ریاستی ڈھانچہ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ دستور نہ صرف ان اداروں کی حدود کا تعین کرتا ہے بلکہ ان کے درمیان تنسیق کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ اس طرح شخصیات کی تبدیلیوں کے باوجود دائمی دستور کی بنا پر جدید معاشرے نہ صرف سیاسی استحکام حاصل کرتے ہیں بلکہ اقتصادی، سماجی اور معاشرتی ترقی کا راستہ بھی اپناتے ہیں۔

اگرچہ جدید مسلمان ملکوں میں دساتیر تو موجود ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کی روایت کم زور ہے۔ یا تو شخصیات کی خاطر دستور کو تبدیل کر دیا جاتا ہے یا پھر معطل کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سیاسی استحکام پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی سماجی اور اقتصادی ترقی ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر مسلمان ملکوں نے ترقی نہیں کی۔ جدید مسلمان معاشروں کی ترقی اور خوش حالی سیاسی استحکام اور دستوریت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ دستور کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس مقالے میں دستور سازی کی جدید و قدیم اسلامی روایات کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس حد تک موجود اسلامی ممالک کے دساتیر میں اسلامی تعلیمات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مزید بر آں، اس تحقیق کے ذریعے اسلامی اصولوں کی روشنی میں مسلمان معاشروں کے لیے دستور سازی کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

❁ پروفیسر علوم اسلامیہ و چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔
(aqsuhaib@gmail.com)
❁ ریسرچ ایسوسی ایٹ، پیغام پاکستان سنٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(hiramanzoor22@gmail.com)

۲ ریاست کا اسلامی تصور

۲.۱ اسلامی ریاست کا مفہوم

ریاست کے لیے اسلامی شریعت میں امامت اور خلافت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست سے مراد ایک ایسی ریاست ہے جس میں معاشرے کے افراد کے دینی و دنیاوی مصالح کو مد نظر رکھا گیا ہو۔ امام ابو الحسن الماوردی لکھتے ہیں: "الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا." [۱] (امامت قائم کی جاتی ہے نبی کی نیابت کے لیے دین اسلام کی حفاظت کرنے اور دنیاوی امور کی اصلاح کرنے میں۔)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الخلافة هي الرياسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية، و إقامة أركان الإسلام، و القيام بالجهاد و ما يتعلق به من ترتيب الجيوش و الفروض للمقاتلة، و إعطائهم من الفيء، و القيام بالقضاء، و إقامة الحدود، ورفع المظالم، و الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر نيابة عن النبيﷺ. [۲]

(خلافت عمومی سربراہی ہے۔ اقامت دین کے واسطے علوم دینیہ کو زندہ کرنے کے ذریعے، ارکان اسلام کو قائم کرنے اور جہاد کے اہتمام کے ذریعے اور ان کاموں کے ساتھ جو جہاد سے متعلق ہیں، یعنی لشکر کو تیار کرنے، مجاہدین کے لیے وظائف مقرر کرنے، ان کو مال غنیمت میں سے دینے، قضا اور حدود کے قیام کرنے اور ظلم و زیادتی کو دور کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی حیثیت سے۔)

۲.۲ ریاست کا اسلامی تصور

اسلام میں تمام قوانین کا ماخذ قرآن ہے۔ قرآن و سنت میں فرد کی زندگی بسر کرنے کے تمام اصول فراہم کیے گئے ہیں جو کہ ہر فرد کے دوسرے افراد کے ساتھ تعلقات سے لے کر تہذیب اور معاشرت کے بارے میں بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

اسلام میں ریاست کے تصور اور اس کے نظریے کے فروغ کا آغاز گیارھویں صدی میں ہوا۔ اس

۱۔ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، **الأحكام السلطانية** (قاہرہ: دار الحديث، ۲۰۰۶ء)، ۱۵۔

۲۔ وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته** (دمشق: دار الفكر، ۱۹۸۵ء)، ۶: ۲۶۱۔

نظریے کے فروغ میں لکھی گئی تصانیف میں سر فہرست الماوردی کی **الأحکام السلطانیة** ہے۔[۳] اسلامی ریاست اپنے نظریے میں باقی تمام دنیا کے ریاستی نظریوں سے کسی حد تک مطابقت رکھتی ہے لیکن اسلامی ریاست اور مغربی ریاست کے درمیان واضح فرق یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کے پاس ہے۔ دوسرا واضح فرق یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا مقصد یہ ہے کہ اس کے افراد آزادی کے ساتھ قرآن و سنت کی پیروی کر سکیں اور اپنی زندگی شریعت کے مطابق بسر کر سکیں۔ اس کے علاوہ اسلامی ریاست میں کوئی بھی ایسا قانون رائج نہیں ہو سکتا جو قرآن و سنت کے منافی ہو۔ ریاست کے تصور کو جدید دور سے ہم آہنگ رکھنے کے لیے اسلامی ریاست کا بہت اہم سمجھا جانے والا رکن اجتہاد ہے اور تمام تر ریاستی امور کی رہ نمائی قرآن و سنت کے بعد اجتہاد کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کسی سرحد کی محتاج نہیں ہے کیوں کہ طاقت کا مجسمہ اللہ کو تصور کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ تمام کائنات میں اللہ ہی کی حکومت ہے۔ اس نظریے کے مطابق مسلم اُمہ مذہب کی بنیاد پر ایک فرد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی ریاست کا منبع اس ریاست میں بسنے والے افراد ہیں جو کہ ایک مسلم کمیونٹی ہے۔ اسلامی نظریے کے مطابق ریاست کی باگ ڈور چند افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو اس بات پر رضامند ہوتے ہیں کہ ریاست کو اللہ کی مرضی کے مطابق اسی سانچے میں ڈھالا جائے گا جو تاریخ میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اسوۂ حسنہ سے ملتا ہے۔

ریاست ایک ایسا ادارہ ہے جس کو مسلم اُمہ یہ فرض سونپتی ہے کہ اللہ کی مرضی کو رائج کرے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ ترغیب کرتا ہے کہ مسلم ریاست کو ایک شوریٰ کے ذریعے چلایا جائے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ ریاست کا سربراہ ایک قانون ساز اسمبلی کی مشاورت سے ریاستی امور کو انجام دے اور یہی نظریہ جدید مغربی ریاست میں بھی رائج ہے۔

۳– اسلامی ریاست کے لیے دستور سازی کی ضرورت و اہمیت

۳.۱ – دستور کا تعارف

انتھونی کنگ (Anthony King) کے مطابق آئین ایسے اہم ترین اصولوں کا مجموعہ ہے جو کسی مخصوص ملک کی حکومت کے مختلف حصوں میں تعلقات کو منظم کرتا ہے اور حکومت اور ملک کی عوام کے درمیان

3– http://www.upenn.edu/emeritus/IslamConcepts.pdf, accessed 16 January, 2020.

بھی تعلقات کو قائم کرتا ہے۔[۴]

ریاست کے بغیر کوئی معاشرہ نہیں ہو سکتا اور آئین کے بغیر کوئی ریاست نہیں۔[۵] اسلامی ریاستوں میں علماے کرام نے تاریخی طور پر مسلم معاشروں میں اسلام کی قانونی دفعات کا استعمال کرتے ہوئے ان کی زبان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ علماے کرام نے آئینی زبان میں زیادہ دل چسپی کا اظہار کیا ہے۔ مسلم ریاستوں نے سیاسی، قانونی، ذاتی اور انسانی حقوق کے حوالے سے اسلام کے کردار کی وضاحت کرنے والے آئینی لائحۂ عمل کو اپنایا ہے۔[۶]

۲.۳۔ ریاست کے لیے دستور سازی کی ضرورت واہمیت

اسلام ایک مکمل ضابطہ ٔ حیات ہے جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور یہی اسلامی دستور کا منبع ہے۔ قرآن تمام بنی نوع انسان کی رہ نمائی کرتا ہے اور ایک مسلم مملکت کے لیے دستور کی بھی صورت اختیار کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو برادرانہ تعلقات کو پروان چڑھانے کا درس دیا اور یہی تعلق خلفاے راشدین کے دور میں بھی نظر آتا تھا اور اس کے بعد اموی، عباسی اور عثمانی ادوار خلافت میں بھی انھی برادرانہ تعلقات کی مثالیں ملتی ہیں۔[۷]

ان ادوار میں اسلامی ریاستیں قرآن و سنت کی روشنی میں امور سرانجام دیتی تھیں لیکن موجودہ دور میں اسلامی ریاستوں کے دساتیر میں سیکولرازم، سوشل ازم اور کیپیٹل ازم نے بھی اپنی جگہ بنائی ہے اور اس کے ساتھ چند اسلامی روایات کو جوڑ کر ان دساتیر کو اسلامی دستور کا نام دیا گیا ہے۔ اسلامی دستور کے مآخذ قرآن و سنت، خلفاے راشدین کی روایات اور علماے اسلام کی تعلیمات ہیں۔ دستور میں لوگوں کے بنیادی حقوق واضح ہوتے ہیں

4– https://librarygurus.com/assignments/define-constitution-by-ten-different-scholars/, accessed on October, 2020.

5– Jamsheed Ahmed Sayed and Arshid Iqbal Dar, "First Written Constitution of the World: An Important Document of the Prophet's Time: A Study of Dr Muhammad Hamidullah's Views," *International Journal of Current Advanced Research* 6:6 (June 2017), 4213–15.

6– Nathan J. Brown and Mara Revkin, "Islamic Law and Constitutions", in *The Oxford Handbook of Islamic Law*, eds. Anver M. Emon and Rumee Ahmed (Oxford: Oxford University Press, 2018), 779-814.

7– Md. Abdul Awal Khan, "The Need of Uniform Islamic Constitution for the Muslim Ummah: A Study of Islamic Provisions on the Constitution of Selectd Countries," *IIUC STUDIES*, 3 (December 2006), 63-72.

اور اس کے ساتھ یہ لوگوں کے فرائض بھی متعین کرتا ہے۔ مغربی دنیا میں انسانی دستور کو سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ دستور انسان کی عزتِ نفس، برابری کے حصول اور ان کی آزادی کی ضمانت ہے۔ کسی بھی ریاست میں دستور کی بہ دولت ہی ریاستی ادارے اور افراد اپنے متعین کردہ مدار میں گردش کرتے ہیں کیوں کہ دستور کو ریاست کی تنظیم میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

۳.۳ – اسلامی دستور سازی کا ارتقا

اسلامی دستور کا ماخذ شریعت کو تصور کیا جاتا ہے جس کی رو سے انسانوں میں کسی رنگ و نسل کی تفریق نہیں اور شریعت ان کی جان ومال کی حفاظت کی ضامن ہے۔

اسلامی ریاست میں تمام قانونی امور اور افراد کے آپس کے تعلقات شریعت کی روشنی میں ہی طے کیے جاتے ہیں۔ اسی تناظر میں خلیفہ کو اسلامی ریاست کے تمام افراد کے حقوق کا محافظ سمجھا جاتا ہے اور اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ تمام امور قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں انجام دے گا۔

میثاق مدینہ

کسی بھی ملک کے قواعد وضوابط ہر جگہ کم یا زیادہ تحریری شکل میں پائے جاتے ہیں لیکن حضور ﷺ کے زمانے سے پہلے کوئی بھی تحریری دستور موجود نہ تھا۔ سب سے پہلے حضور ﷺ نے تحریری طور پر ایک دستور لکھوایا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں۔ قدیم قوموں کی بہت سی تحریریں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان تحریروں میں حکومت اور انتظامیہ کے حوالے سے قواعد بھی شامل ہیں، لیکن ان قدیم تحریروں کو آئین نہیں کہا جاسکتا۔

مدینہ کا آئین اپنی نوعیت کا پہلا آئین ہے۔ ہجرت کے پہلے سال ایک عمل نامہ تیار کیا گیا جس میں حکم رانوں کے فرائض کے ساتھ ساتھ دیگر فوری تقاضوں (جس میں سماجی تقاضے بھی شامل تھے) کے بارے میں تفصیلی گفت گو ہوئی۔ اس دستاویز کی پوری بات لفظ بہ لفظ ابن اسحاق اور ابوعبید نے اپنی کتابوں میں پیش کی۔ یہ دستاویز باون جملوں پر مشتمل ہے۔ اس میں قانونی اصطلاحات استعمال کی گئیں اور اس وقت کی تحریری دستاویزوں میں یہ ایک انمول مثال ہے۔ مسلم مؤرخین کے علاوہ غیر مسلم سکالرز نے بھی اس دستاویز کو بہت اہمیت دی ہے۔

جب حضور ﷺ نے مکہ میں اپنی تبلیغ اور اصلاحی کاموں کا آغاز کیا تو آپ نے عقائد اور رویوں میں تبدیلی کی دعوت دی جس کی وجہ سے آپ کو دشمنی کا سامنا کرنا پڑا۔ طائف گئے وہاں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حج کے دنوں میں کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے جن کا تعلق مدینہ سے تھا۔ انھوں

نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ آپ ﷺ کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کے بعد وہ مکہ کے ساتھیوں کی مدد کریں گے اور پناہ دیں گے کیوں کہ مکہ کی حالت ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ [۸]

مکہ کے لوگوں نے حضور ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی املاک اور سامان پر قبضہ کر لیا تھا۔ مکہ کو اس وقت ایک منظم شہر کی حیثیت حاصل تھی جہاں فوج اور خارجہ امور وغیرہ جسے پچیس سرکاری دفاتر موجود تھے جب کہ اس کے برعکس مدینہ میں ایسا کوئی انتظام موجود نہ تھا۔ اس وقت مدینہ کی نصف آبادی یہودی تھی اور مدینہ میں قبائلی نظام رائج تھا۔ آبادی کا عرب حصہ اوس و خزرج کے بارہ قبائل میں منقسم تھا۔ نبی کریم ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعے مدینہ کے شہر کو منظم کیا۔

تاریخی طور پر اسلامی دستور سازی کی روایت کا سب سے پہلا دستور میثاق مدینہ ہے۔ یہ دستاویز اپنے آغاز سے لے کر اس دور جدید تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ اسی کی رہ نمائی میں آج تک اسلامی ریاست کے داخلی اور خارجی امور کا تعین اور لوگوں کے حقوق کا دفاع کیا جاتا ہے۔ اس دستاویز کی اصل ترجیح سیاسی استحکام ہے۔ میثاق مدینہ سے ایک مثال یہ بھی ملتی ہے کہ مسلمانوں کے اس دور میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ اچھے تعلقات کا عندیہ دیا گیا تھا چاہے وہ یہودی ہی کیوں نہ ہوں۔

۴- دستور سازی کے لیے اسلامی لائحۂ عمل

۴.۱ - دستور سازی کے لیے اسلامی ریاست کے رہ نما اصول

۱- احکام الٰہی کا نفاذ

اسلامی ریاست کے فرائض میں اوّلین فرض احکام خداوندی کا نفاذ ہے کہ معاشرے کے تمام افراد اپنی زندگی کے جملہ معاملات احکام الٰہی کی روشنی میں حل کریں اور بوقت ضرورت انھی کی طرف مراجعت ہو؛ اس لیے کہ حاکم حقیقی اور اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو قوانین اور دساتیر بھی اس کے بیان کردہ نافذ ہوں گے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ﴾ [۹] (اللہ کے سوا اور کسی کا حکم نہیں ہے۔)

8– Muhammad Hamidullah, *The First Written Constitution in the World: An Important Document of the Time of the Holy Prophet* (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1968).

۹– القرآن،۶: ۵۷۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر اس دنیا میں کسی کا حکم اور قانون بلا امتیاز ہر کسی پر نافذ اور جاری ہو سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور قرآنی تصریح کے مطابق جو احکام خداوندی کے مطابق حکم نہ دے یا عمل نہ کرے تو وہ ظالم ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (۱۰) (اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔)

ب۔ جمہوری خلافت

اسلامی ریاست میں نظام خلافت رائج ہو گا اور اس میں ارباب حل و عقد باہمی مشاورت سے جسے اپنا خلیفہ بنالیں وہ سربراہ مملکت ہو گا اور یہ سربراہی کسی فرد واحد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مولانا سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ کی نیابت کا یہ مقام کسی فرد واحد یا کسی خاندان یا کسی مخصوص طبقے کا حق نہیں ہے بلکہ ان تمام لوگوں کا حق ہے جو اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچے ہوئے قانون الٰہی کو بالاتر قانون مان لیں۔(۱۱)

اس کے بعد مولانا نے اپنی بات کو درج ذیل آیت سے مدلل کیا ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ (۱۲) (اللہ نے یہ وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا۔)

خلافت بالقوہ اگرچہ سارے ہی انسانوں کو حاصل ہے لیکن اس آیت سے معلوم ہوا یہ استحقاق صرف ان کو حاصل ہے جو اس کا حق ادا کریں اور ان سے جو مذکورہ بالا مطالبات کیے گئے ہیں ان کو بجالائیں۔

۲.۴- اسلامی ریاست میں دستور کی تشکیل کالائحۂ عمل

اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید وقت کا تقاضا ہے اور اس کو مقاصد شریعہ سے ہم آہنگ کرنا بنیادی مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں: "متعدد اسلامی مفکرین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کو مقاصد شریعت کی تحصیل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔"(۱۳)

۱۰- القرآن، ۵: ۴۵۔

۱۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء)، ۳۴۱۔

۱۲- القرآن، ۲۴: ۵۵۔

۱۳- نجات اللہ صدیقی، **مقاصد شریعت** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۹ء)، ۲۷۔

مقاصد شریعہ سے مراد وہ مصالح ہیں جن کا احکام شریعت میں بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ انسانوں کے لیے دنیا اور آخرت کے فوائد کا حصول ممکن ہو اور مضرات سے ان کو بچایا جاسکے۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصد کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:"المقاصد لا تعدو ثلاثة أقسام: أحدها، أن تكون ضرورية، و الثاني، أن تكون حاجية، و الثالث، أن تكون تحسينية."[۱۴] (مقاصد شرعیہ تین قسموں سے زیادہ نہیں ہیں۔ ان میں پہلے ضروریہ اور دوسرے حاجیہ اور تیسرے تحسینیہ ہیں۔)[۱۵]

مقاصد شریعہ کی روشنی میں اسلامی ریاست میں دستور کی تشکیل جدید کے لائحۂ عمل کے حوالے سے چند نکات درج ذیل ہیں:

تکریم انسانیت

اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید میں سب سے پہلے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ حضرت انسان کی تکریم و تعظیم ضروری ہے۔ مقاصد شرعیہ ضروریہ میں جن پانچ چیزوں —یعنی دین، نفس، نسل، مال اور عقل کی حفاظت— کو بیان کیا گیا ہے ان میں بلا واسطہ پہلے چار اور بالواسطہ آخری کے حصول کے لیے تکریم انسانیت کا شعور پیدا کرنا ضروری ہے کیوں کہ جب تک تکریم انسانیت نہیں ہوگی تب تک ایک دوسرے کی جان و مال، عزت و آبرو اور دین کی حفاظت کا تحقق دشوار ہے؛ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان مقاصد ضروریہ کا مقصد بھی تکریم انسانیت ہی ہے۔

آج کی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ ہر بااختیار انسان دوسروں کی تذلیل و تحقیر کو اپنے اختیار کا بنیادی مقصد سمجھتا ہے اور یہ سوچ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ ہر سطح تک موجود ہے کہ اپنے آپ کو ہی باعث شرف و کرم سمجھنا اور دوسروں کو حقیر اور کم تر تصور کرنا، جب کہ اسلام ایک معتدل اور مساوات کا علم بردار مذہب ہے جو تمام

۱۴۔ ابراہیم بن موسی الشاطبی، **الموافقات** (دار ابن عفان، ۱۹۹۷ء)، ۲: ۱۷۔

۱۵۔ مقاصد ضروریہ سے مراد وہ اہداف ہیں جن کی عدم موجودگی سے انسان کی دنیا و آخرت برباد ہو جائے۔ یہ مقاصد پانچ ہیں۔ دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت۔ مقاصد حاجیہ سے مراد وہ مصالح ہیں جو پورے نہ ہونے کی صورت میں انسان تکلیف اور مشقت میں پڑ جائے، مثلاً عذر کے وقت تیمم کرنا۔ مقاصد تحسینیہ وہ ہیں جن کی رعایت انسانی کردار میں خوبی کا باعث ہو۔ تمام اچھی عادات اور اخلاق اس سے جڑے ہیں۔

انسانوں کی تعظیم و تکریم کا قائل ہے۔ اس میں رنگ و نسل، ذات پات، علاقہ و زبان اور جنس کے لحاظ سے تفاخر و برتری کی کوئی گنجایش نہیں ہے جب کہ قرآنی تصریحات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نہ صرف خود عزت دی بلکہ لائق تکریم بھی بنایا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾[۱۶] (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور خشکی اور دریا میں اسے سوار کیا اور ہم نے انھیں ستھری چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انھیں فضیلت عطا کی۔)

مرد و عورت کے درمیان تکریم میں برابری

یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ بنی آدم میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عزت و تکریم میں برابر کے حصہ دار ہیں، ان میں کسی قسم کا فرق روا رکھنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾[۱۷] (وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت دونوں کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔

اور عزت کے معیار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[۱۸] (اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھارے خاندان اور قومیں بنائی ہیں تاکہ تمھیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے۔)

مذکورہ نصوص سے دو اہم باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے:

جنس کی بنیاد پر کوئی برتری نہیں / مساوات مرد و زن

مرد و عورت کا مادہ، اساس اور محل تخلیق ایک جیسا ہے تو پھر دونوں میں تفاضل و تفاخر اور برتری کا کوئی

۱۶۔ القرآن، ۱۷: ۷۰۔

۱۷۔ القرآن، ۴۰: ۶۷۔

۱۸۔ القرآن، ۴۹: ۱۳۔

جواز نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود عصر حاضر میں مرد و عورت کے درمیان تفریق کی خلیج نے اس احساس کو جنم دیا ہے کہ مرد کو عورت پر یا بالعکس برتری حاصل ہے۔ قرآنی تصریح کے مطابق تقویٰ کی بنیاد پر برتری ہو سکتی ہے جس کے حصول کے لیے مرد و عورت دونوں کو حکم دیا گیا اور اس کا فیصلہ بھی روز محشر ہو گا کہ کس کا تقویٰ اس درجے کا ہے جو اسے دیگر سے ممتاز کرے۔

طلوع اسلام سے قبل عورتوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا اور ان کو حقیر و کم تر سمجھتے ہوئے جو اقدامات کیے جاتے تھے، اسلام نے ان کو یک سر کالعدم قرار دیا اور اس کے لیے ایسے حقوق متعین کیے جس سے اس کا کھویا ہوا وقار بحال ہوا اور ایسی اخلاقی قدریں متعارف کرائی گئیں جن کو اختیار کر کے مرد و عورت دونوں بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جملہ احکامات میں مرد و عورت کو یکساں حکم دیا سوائے چند جزوی معاملات کے کہ جن میں عورت کی توقیر و عظمت کا مقتضیٰ ہی یہی تھا کہ اس حکم میں وہ مردوں سے مختلف ہوں۔ اسی کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے اسلام پر لعن طعن شروع کر دیا کہ اس نے مرد و عورت کے درمیان فرق کر کے عورت کی تذلیل کی ہے جب کہ نصوص کا مطالعہ اور اصل حقائق اس کے برعکس ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رنگ و نسل کی بنیاد پر کوئی برتری نہیں / مساوات انسانی

اس آیت کریمہ میں ایک بہت بڑی گم راہی اور غلطی کی اصلاح کی گئی ہے۔ نسلی و قومی امتیاز کے تصورات دنیا کی ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی قوم، اپنے رنگ، اپنی نسل اور اپنے نظریے کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ برتری صرف اس کے ہاں پائی جاتی ہے اور باقی سب کم تر ہیں۔ یہی تفاخر اور غرور آگے چل کر نفرتوں، چپقلشوں، مقابلوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر جاتا ہے جن کے نتیجے میں دنیا کا امن برباد ہوتا ہے۔

اسلام نے تقویٰ اور طہارت، دین داری اور نیکی پر فضل و مرتبے کی بنیاد رکھی ہے اور اس بات کی نفی کر دی ہے کہ محض حسب و نسب پر کام یابی کا مدار ہے بلکہ اس کے لیے پرہیز گاری کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ کسی علاقے یا قوم میں پیدا ہونا قابل فخر نہیں ہے بلکہ اخلاقی و روحانی طور پر اپنے آپ کو مضبوط کرنا فلاح دارین کا سبب ہے۔

تکریم انسانیت اور انسان کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزید احکامات بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ

مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ﴾[۱۹] (اے لوگوں! ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھانہ کرے، عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں؛ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں، کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں؛ اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔)

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے تکریم انسانیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”يا أيها الناس، ألا إن ربكم واحد، و إن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا أحمر على أسود ، ولا أسود على أحمر، إلا بالتقوى.“[۲۰] (اے لوگوں! تمھارا رب ایک اور تمھاراباپ بھی ایک ہے۔ یاد رکھو کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو کالے پر اور کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت و برتری نہیں سوائے تقویٰ کے۔)

معلوم ہوا معاشرے میں رہنے والے سارے انسان برابر ہیں اگر کوئی معیار شرف و بزرگی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ اور مندرجہ بالا نصوص سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکریم انسانیت کے لیے اسلام کے کیے گئے اقدامات بے نظیر اور بے مثال ہیں جن پر عمل کی صورت میں فی زمانہ درپیش مسائل کا حل ممکن ہے۔ لہٰذا تکریم انسانیت کے حوالے سے مزید ایسے اقدامات بھی کیے جاسکتے ہیں جس کا دور جدید متقاضی ہے۔

حفاظت جان ومال

اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید میں اس امر کو بھی یقینی بنایا جائے کہ مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کے جان ومال کی حفاظت کی جائے گی اور ناحق کسی انسان کا قتل بھی جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ انسانی جان کی قدر و قیمت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ﴾[۲۱] (جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی

۱۹۔ القرآن، ۴۹: ۱۱۔

۲۰۔ احمد بن حنبل، المسند (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۱ھ)، ۳۸: ۴۷۴۔

۲۱۔ القرآن، ۵: ۳۲۔

بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔)

اسی طرح آپ ﷺ نے پوری نسل انسانی کے جان و مال کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے فرمایا: "فإن دِماءكُم، وَ أَموالكُم، و أَعراضَكُم، بينكُم حَرَامٌ، كَحُرمَةِ يومِكُم هَذَا، فِي شَهرِكُم هَذَا، فِي بَلدِكُم هَذَا." [۲۲] (کہ تمھارے خون اور تمھارے مال آپس میں تمہارے لیے حرام ہیں، جیسے تمھارے اس سن میں، تمہارے اس مہینے میں، تمہارے اس شہر میں حرام (سمجھے) جاتے ہیں۔)

غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت

اسلام نے جہاں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے، وہاں غیر مسلم کے حقوق کی بھی حفاظت کی ہے۔ حضور ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک شق یہ بھی تھی: "اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اہل نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے، ان کے مالوں، ان کی جانوں، ان کی زمینوں، ان کے دین، ان کے غیر موجود و موجود افراد، ان کے خاندان کے افراد، ان کی عبادت گاہوں اور جو کچھ بھی ان کے ہاتھوں میں ہے، تھوڑا یا زیادہ ہر شے کی حفاظت کے ذمے دار ہیں۔" [۲۳]

عدل و انصاف کا حصول آسان تر ہونا

عصر حاضر میں عدل و انصاف کا حصول اس قدر دشوار ہو گیا ہے کہ بہت سے مظلوم محض اس وجہ سے خاموشی اختیار کیے بیٹھے رہتے ہیں کہ عدالتوں سے انصاف کے حصول کے لیے جس تگ و دو اور دشواری کا سامنا ہو گا وہ اس ظلم سے کم نہ ہو گا جس کا پہلے ان کو ظالم کی طرف سے سامنا ہے۔ مقدمات کی سماعت میں سالہا سال کا لگ جانا اور پھر وکلا کا سچ کو جھوٹ اور اس کے برعکس پیش کرنے میں پیسے اور دولت کی وجہ سے آمادہ ہونا بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید میں دو باتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے: ایک تو عدل و انصاف کا حصول آسان تر بنایا جائے، دوسرا اس مقصد میں جو قباحتیں اور رکاوٹیں ہیں ان کو بڑے حکیمانہ انداز میں دور کیا جائے۔ اس لیے کہ عدل و انصاف کا خون ظلم و بربریت کو جنم دیتا ہے اور ظلم سے معاشرہ تباہی کی طرف بڑھتا

۲۲- محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب العلم، باب قول النبي ﷺ رب مبلغ أوعى من سامع (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، ۱: ۲۴۔

۲۳- ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج** (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)، ۷۲۔

ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [۲۴] (بیشک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

قرآن و سنت میں عدل و انصاف کے حوالے سے بڑی تاکید آئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ [۲۵] (کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [۲۶] (ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔)

اور ایک بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ عدل و انصاف کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ اسلامی تعلیمات اس کی مؤید ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ [۲۷] (اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔)

قابل غور بات ہے کہ قرآن کریم نے جو تعبیر اختیار کی اس میں "بين الناس" کہا جو اپنے عموم کی وجہ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں کو شامل ہے اور "بين المسلمين" نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف کے معاملات بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم کے ہونے چاہئیں اور اس میں اعلیٰ و افضل کے لیے رعایت کا کوئی تصور نہیں ہونا چاہیے۔

دور نبوی کا وہ عظیم الشان واقعہ پیش نظر رہنا چاہیے جب بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی اور امرائے قریش نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنایا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "و ایم الله لو أنَّ فَاطِمَةَ بِنت مُحَمَّدٍ سَرَقت لَقَطَعتُ يَدَهَا" [۲۸] (اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو

۲۴- القرآن، ۵: ۵۱۔

۲۵- القرآن، ۷: ۲۹۔

۲۶- القرآن، ۵: ۸۔

۲۷- القرآن، ۴: ۵۸۔

۲۸- البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار، ۴: ۱۷۵، رقم: ۳۴۷۵۔

میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔)

اس سے بڑھ کر عدل و انصاف کا مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرے کی تشکیل ہوتی رہی ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم رہی۔

بنیادی آزادی

اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید میں اس نکتے کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ ہر فرد کو بنیادی آزادی حاصل ہو گی جس کے تحت وہ اپنے جملہ معاملات خواہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی سر انجام دے سکتا ہے، اس لیے کہ حیات و دنیا ابتلا و آزمایش کے لیے ہے، اگر کسی کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا اختیار نہیں ہو گا تو پھر یہ آزماش کیسے ہو گی۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (۲۹) (جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے۔)

لیکن اس آزادی کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ اس کا غلط استعمال کر کے اپنے آپ کو یا دوسروں کو نقصان پہنچائے یا باہم حقوق و فرائض پامال کرے۔

معاشی ناہم واری کا خاتمہ

اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید میں اس امر کو بھی مد نظر رکھا جائے کہ ایک ہی معاشرے میں رہنے والے افراد کا رہن سہن اور مالی و معاشی استحکام اگرچہ برابر نہیں ہو سکتا، تاہم افراد معاشرہ کے درمیان طبقاتی کشمکش اور معاشی ناہم واری کے خاتمے کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ ہر فرد اپنی بنیادی ضروریات کے حصول کے لیے خود کفیل ہو اور وہ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو داؤ پر لگانے کے لیے مجبور نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ﴾ (۳۰) (کیا

۲۹- القرآن، ۶۷: ۲۔

۳۰- القرآن، ۴۳: ۳۲۔

یہ لوگ تمھارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بند کیے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمھارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔)

معلوم ہوا لوگ ایک دوسرے کے کام آئیں گے؛ کچھ مالی طور پر آسودہ ہوں گے کہ لوگوں سے کام لیں گے اور کچھ لوگ کام کریں گے۔ یہ کوئی خلاف عقل و شریعت بات نہیں ہے مگر ان کو اس قدر کم معاوضہ دینا کہ وہ مصنوعات، جو ان کے گاڑھے خون پسینے کی محنت سے تیار ہو رہی ہیں ان میں ان کو اتنا بھی معاوضہ نہ ملے کہ وہ بنیادی ضروریات پوری کر سکیں؛ یہ طرز عمل شرعاً جائز نہیں ہے۔

باقی اگر کسی کو مال و دولت کی فراوانی سے سر فراز کیا گیا ہے تو اس کا مقصد بھی اس کی فضیلت قائم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی آزمایش ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ [۳۱] (اور تو اپنی نظر ان چیزوں کی طرف نہ دوڑا جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیاوی زندگی کی رونق کے سامان دے رکھے ہیں تا کہ ہم انھیں اس میں آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور دیر پا ہے۔)

لیکن دولت کی اس طرح تقسیم کہ وہ صرف چند ہاتھوں میں رہ جائے اور اس کی گردش نہ ہو، یہ طریقہ اسلامی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔

امن عامہ کا قیام

امن عامہ کے قیام اور جان و مال کی حفاظت کے لیے ایسے اقدامات کرنا جن سے ہر شہری مستفید ہو، یہ بھی ایک قابل توجہ امر ہے جس پر عصری تناظر میں شدید غور و خوص کی ضرورت ہے۔ اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کون سی چیزیں امن عامہ کو بگاڑتی ہیں مثلاً اس دور میں انٹرنیٹ، ٹیلی فون، ویڈیو کیمرے کا غلط استعمال کہ کسی بھی شخص کی نجی زندگی کو اس میں مقید کرنا، اسے بلیک میل کرنا اور اس کی زندگی کو اجیرن بنانا؛ لہٰذا جہاں قرآن و سنت میں ان جرائم کا ذکر اور سزا کا بیان ہوا ہے جو امن و امان کو تہ و بالا کرتے ہیں وہیں دور جدید نے جو نئی ایجادات کی وجہ سے مسائل پیدا کر دیے ہیں ان کا بھی مقاصد شریعہ کی روشنی میں حل ضروری ہے۔

۳۱۔ القرآن، ۲۰: ۱۳۱۔

عالمی سطح پر معاملات کا حل

مسلمانوں کا ایک اہم فریضہ تبلیغ ہے جس کی وجہ سے انھیں خیر امت کہا گیا اور اس مقصد کے لیے انھیں ملکی و بین الاقوامی سطح پر اس کا پرچار کرنا ہے؛ اس کے لیے دور جدید کو سامنے رکھتے ہوئے کیا لائحۂ عمل ہو اور اگر کسی مسلم ریاست میں ایسا مسئلہ درپیش آتا ہے جس کے اثرات عالمی سطح پر مرتب ہو سکتے ہیں تو اس کے بہترین حل کے لیے کیا طریق کار وضع کیا جائے کہ نہ صرف مسلم امت کی بہترین نمائندگی ہو سکے بلکہ عالمی سطح پر اس کا مثبت اور صحیح حل بھی نکل سکے، اس کے لیے بھی مقاصد شریعہ کو سامنے رکھتے ہوئے غور و خوض کی ضرورت ہے۔

اجتہادی مسائل

دور جدید میں جو نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں ان پر اجتہادی نظر ضروری ہے۔ مثلاً ثبوت زنا کے لیے چار گواہ یا مجرم کا اعتراف ضروری ہے، اگر کسی جگہ ان میں سے کچھ نہ ملے مگر ڈی این اے ٹیسٹ سے پتا چل جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ اور اسی طرح اعضا کی پیوند کاری پر اہل علم کی متفقہ رائے و دیگر مسائل کے لیے بھی اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید میں اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ اجتہادی مسائل کے حل کے لیے کون سا طریقہ بہتر رہے گا، شخصی یا شورائی اور اس کو مقاصد شریعہ سے کیسے مربوط کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا گفت گو کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے دستور کی دور جدید کے پیش نظر تشکیل نو مقاصد شریعہ کی روشنی میں کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ اسلامی جملہ تعلیمات اپنی مصالح کے ساتھ پائی جاتی ہیں جن کا اہم مقصد بندوں کے لیے فلاح دارین کا حصول ہے، اس لیے ان مصالح پر غور کرنا اور ان کی روشنی میں مزید مصالح کو تلاش کر کے مربوط کرنا اہم کام ہے۔ اس لیے ان مقاصد شریعہ کے دائرے میں رہتے ہوئے دیگر درپیش مسائل کا حل نکالنا بھی اس میں شامل ہے جس کے لیے اہلِ علم کو مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلامی ریاست کے دستور کی تشکیل جدید کے لیے مقاصد شریعہ کو بنیاد بنا کر جو علمی اور عملی اقدامات کیے گئے ہیں، یہ دنیا کے بدلتے ہوئے منظر نامے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مقاصد شریعہ کے دائرۂ کار کو صحیح معنوں میں سمجھ کر اس کے وسیع معنی و مفہوم کو ریاست کے تمام اداروں پر محیط کیا جائے تو نہ صرف آج کی تمام جدید ضروریات پوری ہوتی ہیں بلکہ دنیا خیر و بھلائی کا بہترین نمونہ بن جائے گی جس کی بنا پر انسانیت کے لیے فلاح دارین کا دروازہ کھل جائے گا اور مسلم ریاستیں عالمی منظر نامے میں حقیقی اسلامی تعلیمات کی حامل اور داعی امت کا

فریضہ سر انجام دے سکیں گی۔ اس کے لیے مقاصدِ شریعہ کے وسیع دائرۂ کار کو دستوری شکل میں ڈھالناوقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

۵– موجودہ دور میں اسلامی ریاستوں میں اسلامی دستور سازی

موجودہ دور میں مختلف اسلامی ریاستوں میں مختلف دستور موجود ہیں۔ کچھ اسلامی ریاستوں میں دستور میں اسلامی عنصر محض علامتی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اسلام میں سیکولر ازم، کیپیٹل ازم اور کمیونزم کی بنیادی مخالفت ہے لیکن اس کے بر عکس موجودہ دور میں مسلم ممالک کے دساتیر کا معائنہ کریں تو ان میں سیکولر ازم، کیپیٹل ازم اور کمیونزم کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگرچہ کچھ اسلامی ممالک کے دساتیر میں اسلامی نظریات کو تحریری طور پر بہت اہمیت دی گئی ہے مگر ان نظریات کو افراد کی زندگی کا بنیادی عنصر بنانے کے لیے ریاست کو اختیار نہیں دیا گیا۔

اسلامی دنیا کے اکثر ممالک، جن میں پاکستان بھی شامل ہے، کے دستور میں اس بات پر خصوصی زور دیا گیا ہے کہ ریاست ایسا کوئی قانون نہیں بنائے گی جو اسلام کے منافی ہو۔ آئین پاکستان میں عدالت عظمیٰ کو اسلامی نظریاتی کونسل کے ساتھ اختیار دیا گیا ہے کہ کوئی ایسی قانون سازی جو اسلامی اصولوں کے منافی ہو اس کو غیر قانونی قرار دے۔ قریباً تمام اسلامی ریاستوں کے دساتیر میں ایک بات مشترکہ ہے کہ ہر ریاست میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کوئی بھی ایسی اسلامی ریاست نہیں ہے جو کہ صرف اسلامی اصولوں پر چل رہی ہو۔

درج ذیل سطور میں دور جدید میں چند مسلم ممالک میں دستور سازی کی روایت کے حوالے سے مختصر بحث پیش کی جارہی ہے، اس حوالے سے جن ریاستوں کا انتخاب کیا گیا ہے ان میں تیونس، سابقہ خلافت عثمانیہ، مصر اور ایران شامل ہیں۔

۵.۱ – جدید دور میں دستور سازی: تیونس، خلافت عثمانیہ، مصر اور ایران

تیونس

۱۸۶۱ء میں تیونس نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے قواعد و ضوابط کے لحاظ سے شرعی قوانین کو دستور سازی کی تجویز کے طور پر تشکیل دیا۔ حکم رانوں کو احکامات متعارف کروانے اور ان پر عمل درآمد کرنے کے

لیے شریعت کے سامنے جواب دہ بنایا گیا تھا جو عوامی مفاد کو پورا کرتا تھا۔ پہلا تحریری آئین مغربی آئین پسندی اور شریعت کے احکامات کے مابین پائے جانے والے فاصلے کو ختم کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

کچھ قدامت پسندوں کو تیونس کے آئین میں کی گئی تبدیلیوں کے بارے میں تحفظات تھے؛ انھوں نے تیونس کی علاقائی حدود میں رہنے والے برطانوی اور فرانسیسی شہریوں کو حقوق مہیا کرنے کی کچھ تجاویز کی بھرپور مخالفت کی۔ اس قانونی جدوجہد نے مسلمانوں کی آبادی میں نمایاں ناراضی پھیلائی جو کہ مکمل طور پر اسلامی آئین چاہتے تھے۔ اس ناراضی کو ختم کرنے کے لیے حکومت نے آئین کے کلیدی کردار کو اجاگر کرتے ہوئے عملی جواب دیا اور قدامت پسند عناصر کو تیونس اور غیر ملکی شہریوں کے مابین غیر متنازعہ سیاسی رشتے کا احساس دلایا۔ ''ہم اسلامی ہیں'' کے بیانیے نے معاشرے کو ایک راستہ دکھایا جس نے حکومت کو اسلامی قانون کی لازمی خصوصیات کے ساتھ آئین کو مستحکم کرنے پر آمادہ کیا۔

سلطنت عثمانیہ

اسی طرح کا نظریہ انیسویں صدی میں سلطنت عثمانیہ میں پایا گیا تھا۔ ۱۸۲۶ء سے ۱۸۷۷ء تک کے عرصے میں خلافت عثمانیہ نے اس عظیم الشان سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی شدت سے کوشش کی جو کچھ عرصے سے سیاسی عدم استحکام کا شکار تھی۔ اس کی معیشت زوال پذیر تھی اور مختلف نسلی گروہوں کے مابین فساد نے اس کی سیاسی گرفت کو کمزور کر دیا تھا۔ یورپ کے معاشی عروج کے پیش نظر حکمران طبقے پر زوال پذیر معاشی نظام کی بحالی کے لیے دباؤ بڑھ رہا تھا۔ اس صورت حال میں نظام میں خاطر خواہ تبدیلیوں کے لیے کافی دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔

لہٰذا معاشرتی اور سیاسی تبدیلیوں کو نظام میں داخل کرنے کے مقصد سے ۱۸۳۹ء میں اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ غیر مسلم اور غیر ترکوں کو قومی دھارے میں ضم کرنے کی کوششیں شروع کی گئیں اور لوگوں کے مذہب سے قطع نظر ان سے شہری آزادی اور قانونی مساوات کا وعدہ کیا گیا۔ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو عسکری حکام، مذہبی سکالرز اور حکومتی افسران پر مشتمل تھی۔ ۱۸۶۹ء میں خلافت عثمانیہ سے متعلق قوانین نافذ کیے گئے اور جدید خطوط پر عدلیہ کی تشکیل نو کی گئی تھی۔ کثیر نسلی سلطنت میں وقتاً فوقتاً اٹھنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلامی اور سیکولر عدالتیں قائم کی گئیں۔ عدلیہ کو آزادی دی گئی جس نے سلطنت میں اختیارات کا توازن درست کیا۔

مصر

مصر متعدد آئینوں کا حامل رہا ہے جن میں اسلامی بالادستی کی شقیں شامل کی گئی تھیں۔ ۱۸۶۸ء میں مصر کا

پہلا آئین ایک معاشی بحران کے نتیجے میں اس وقت نافذ کیا گیا جب مصر سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا لیکن اس میں اہم سیاسی خود مختاری تھی۔ یہ کافی مختصر تھا جس میں برطانوی معاونت کا مسودہ تیار کیا گیا تھا اور اس میں کچھ حقوق کی دفعات موجود تھی۔[۳۲]

مصر نے آزادی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۳ء میں آئین کی تشکیل جدید کی منظوری دی۔ اسے بیلجئیم کے آئین ۱۸۳۰ء– ۱۸۳۱ء کے اوپر ماڈل کیا گیا تھا اور اسے ایک بہت آزاد خیال دستاویز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ آئین بادشاہ کے ذریعے بالواسطہ مقرر کردہ ایک کمیشن نے لکھا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں اس آئین کو معطل کر دیا گیا۔ بعد ازاں، مزید کئی آئینی مسودے ترتیب دیے گئے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ مصر تیسرا اسلامی ملک تھا جس نے دور جدید میں باقاعدہ آئین سازی کی۔

ایران

اسلامی دنیا میں باضابطہ آئین تشکیل دینے والا چوتھا ملک ایران تھا۔

مظفر الدین شاہ نے اگست ۱۹۰۶ء میں ایک آئین پر دستخط کیے جس نے ایران کو مطلق العنان بادشاہت سے پارلیمانی نظامِ حکومت میں تبدیل کر دیا۔ اس تحریری طور پر کم زور اور نامکمل آئین کو عوام کے ملے جلے رد عمل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے لوگوں کو سیاسی طاقت کا منبع تسلیم کیا تاہم اس آئین میں حقوق کا بل شامل نہیں تھا۔

۱۹۰۷ء میں ایک تکمیلی آئین لکھا گیا جس میں حقوق کا بل، زندگی، جائیداد، اور دیگر امور سے متعلق بہت سے حقوق شامل تھے۔ آئینی مجلس کے مندوبین نے اس بات پر اتفاق رائے کا اظہار کیا کہ ممتاز اسکالرز کی ایک کمیٹی آئین و قانون میں اسلام مخالف شقوں کا جائزہ لے گی اور انھیں دوبارہ لکھے گی۔[۳۳]

۵.۲– پاکستان کے دستور میں اسلامی اصول

بیسویں صدی میں برطانیہ اور روس جیسی عالمی طاقتوں کا خاتمہ ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک میں سامراج کے خاتمے کے بعد، اسلامی اقدار اور مذہب کی آزادی کی ضمانت کے حامل آئین کی تشکیل کا خیال بہت مقبول ہوا۔

32– Dawood I. Ahmed & Tom Ginsburg, "Constitutional Islamization and Human Rights: The Surprising Origin and Spread of Islamic Supermacy in Constitutions", *Virginia Journal of International Law*, 54: 3 (2014), 615-693.

33– Janet Afary, *The Iranian Constitutional Revolution, 1906-1911: Grassroots Democracy, Social Democracy, & the Origins of Feminism* (New York: Columbia University Press, 1996).

پاکستان وہ ملک تھا جو آئین کے ذریعے اپنی نظریاتی شناخت کو مضبوط بنانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی آزادی کے ساتھ ہی قوم کے سماجی اور سیاسی تشخص کے بارے میں بحث دانش ورانہ اور انتظامی حلقوں میں زور پکڑ گئی۔ آزادی کے پہلے عشرے کے دوران آئین کو اسلام کے مطابق بنانے کی بحث پاکستان میں قانون سازی کے عمل میں پیشِ نظر رہی۔

۱۹۵۶ء کے آئین کے اجرا سے سات سال قبل قرار داد مقاصد منظور کی گئی جس میں پاکستان کو "اسلامی جمہوریہ" بنانے کی بات کی گئی۔ اس میں قرار دیا گیا کہ قرآن و سنت کے مخالف کوئی بھی قانون پاکستان میں نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ طے ہوا کہ صرف مسلمان ہی اس ملک کا صدر اور وزیر اعظم منتخب ہو گا۔ شرعی عدالت دوسری عدالتوں کے ساتھ کام کرے گی۔

اس کے علاوہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی۔ اس کونسل کا کام حکومت کو ملکی معاملات میں شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ کرنا اور ملک میں قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے میں مدد فراہم کرنا تھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت کو بہت سے قوانین میں تبدیلی کے لیے مشورے دیے۔

خلاصۂ کلام

مقالہ ہذا میں دستور سازی کا مفہوم، ضرورت و اہمیت، اسلامی روایت میں دستور سازی کے ارتقا اور بعض اسلامی ممالک کے دساتیر کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز ان دساتیر کی تیاری میں اسلامی احکام کے کردار کو مختصراً واضح کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے مقالے میں جو بحث کی گئی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ جدید دستور سازی کے لیے قرآن و سنت سے بنیادی اور اساسی تعلیمات مل سکتی ہیں۔ مسلمان فقہا نے مقاصد شریعہ کے ضمن میں جو کام کیا ہے اس کام کو بنیاد بنا کر مسلمان معاشروں میں جدید قانون سازی ممکن ہے۔ مسلمان معاشروں کو نہ صرف قرآن و سنت کے مطابق دستور سازی کرنی چاہیے بلکہ دستور کے اوپر عمل پیرا بھی ہونا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞